ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.2 2025

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کی ذمہ داریاں اور ان پر اٹھنے والے اعتراضات: ایک علمی و تنقیدی جائزہ

THE RESPONSIBILITIES OF MINORITIES IN AN ISLAMIC STATE AND THE OBJECTIONS RAISED AGAINST THEM: AN ACADEMIC AND CRITICAL REVIEW

Sikander Ali Leghari
Assistant Professor In Muslim History
Department of College Education Government of Sindh
legharisikanderali@gmail.com

Abstract:
Islam is a universal religion that presents a comprehensive socio-political system based on the principles of justice, tolerance, and human rights. Within this system, human dignity and respect are considered fundamental, regardless of an individual's religion, race, or ethnicity. The establishment of an Islamic state is essentially a practical expression of these principles, where not only are the rights of Muslims protected, but non-Muslim minorities are also ensured full protection of their religious, social, and civic rights.Historically, non-Muslim minorities in Islamic states were granted the status of Dhimmis, which guaranteed them freedom in matters of life, property, religion, worship, places of worship, cultural traditions, and economic dealings. As part of the broader Islamic society, these minorities were also entrusted with certain responsibilities considered essential for the maintenance of state order and societal harmony—such as the payment of Jizyah (a protection tax), loyalty to the state, and other basic civic duties.In the modern era, however, various objections have been raised regarding the concept of the Islamic state, particularly concerning the rights and responsibilities of minorities. Critics argue that minorities in an Islamic state are subjected to discriminatory treatment, are not considered equal citizens, and are bound by certain restrictions that contradict their religious and social freedoms. These criticisms are often rooted either in Western secular perspectives or in the critical interpretations of certain Muslim intellectuals.This article seeks to identify the responsibilities assigned to minorities within an Islamic state and to provide an academic and critical analysis of the objections raised against them. In doing so, it will draw upon the Qur'an and Sunnah, classical jurisprudential sources, Islamic history, and contemporary scholarly discourse to present a fair and well-reasoned perspective. The objective of this review is not only to defend the Islamic viewpoint but also to highlight the true spirit of justice upon which the Islamic system is founded.

Keywords: Responsibilities, Minorities, Islamic State, Objections Raised, Establishment, Discriminatory, Jurisprudential

اسلام ایک عالمگیر دین ہے جو عدل، رواداری اور انسانی حقوق کے اصولوں پر مبنی ایک جامع معاشرتی و سیاسی نظام پیش کرتا ہے۔ اس نظام میں انسان کی حرمت اور وقار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب، نسل یا قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ اسلامی ریاست کا قیام دراصل ان اصولوں کی عملی تعبیر ہے جہاں نہ صرف مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے بلکہ غیر مسلم اقلیتوں کو بھی ان کے مذہبی، معاشرتی اور شہری حقوق کے ساتھ مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر اسلامی ریاستوں میں غیر مسلم اقلیتوں کو ذمی کا درجہ دے کر ان کے جان و مال، مذہب، عبادات، عبادت گاہوں، تہذیب و ثقافت اور معاشی معاملات میں آزادی دی گئی۔ یہ اقلیتیں اسلامی معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے بعض ایسی ذمہ داریوں کی بھی پابند رہی ہیں جو ریاستی نظم و نسق اور معاشرتی ہم آہنگی کے لیے ضروری سمجھی گئیں، جیسے جزیہ کی ادائیگی، ریاست سے وفاداری، اور دیگر بنیادی شہری ذمہ داریاں۔ تاہم جدید دور میں اسلامی ریاست کے تصور پر مختلف اعتراضات سامنے آئے ہیں، خاص طور پر اقلیتوں کے حقوق و فرائض کے حوالے سے۔ ناقدین کا دعویٰ ہے کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے، انہیں برابر کا شہری نہیں سمجھا جاتا، اور بعض پابندیاں ان کے مذہبی و سماجی حقوق کے منافی ہیں۔ یہ اعتراضات بعض اوقات مغرب کی سیکولر سوچ، اور بعض اوقات مسلم مفکرین کے اپنے تنقیدی رویوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں ہم اسلامی ریاست میں اقلیتوں کی ذمہ داریوں کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ ان اعتراضات کا علمی اور تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔ اس ضمن میں قرآن و سنت، فقہی مصادر، اسلامی تاریخ اور جدید علمی مباحث کو بنیاد بنایا جائے گا تاکہ ایک منصفانہ اور مدلل موقف پیش کیا جا سکے۔ اس جائزے کا مقصد نہ صرف اسلامی فکر کا دفاع کرنا ہے بلکہ اس کے عدل پر مبنی نظام کی اصل روح کو بھی واضح کرنا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اسلامی ریاست میں جزیہ کی نوعیت اور اس کی فقہی تفہیم

اسلامی ریاست میں جزیہ ایک ایسامالی معاہدہ ہے جو غیر مسلم شہریوں (اہلِ ذمہ) پر اس بنیاد پر عائد کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے نظم و نسق، تحفظ اور امن سے مستفید ہوتے ہیں، جبکہ ان پر ریاستی دفاع کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ یہ ٹیکس صرف بالغ، مرد، اور مالی استطاعت رکھنے والے افراد سے لیا جاتا ہے، اور اس کی مقدار ان کی حیثیت کے مطابق متعین کی جاتی ہے۔

لفظ "جزیہ" لغوی طور پر "جزا" سے ماخوذ ہے، اور اس کا مفہوم کسی عمل کے بدلے میں دی جانے والی مالی ادائیگی ہے۔ امام ماوردی (م 450ھ) اپنی معروف کتاب الاحکام السلطانیہ میں جزیہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"جزیہ جزا سے مشتق ہے، جو یا تو ان کے کفر کی سزا کے طور پر ان سے لیا جاتا ہے تاکہ وہ ذلیل ہو جائیں، یا پھر ہمارے ان کے ساتھ کیے گئے امن کے معاہدے کا بدلہ ہوتا ہے، جو نرمی کے ساتھ لیا جاتا ہے"[1]

معروف لغوی ابراہیم مصطفیٰ المعجم الوسیط میں جزیہ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"یہ وہ مالیہ ہے جو اہلِ ذمہ سے لیا جاتا ہے، خواہ وہ ان کی زمین کا خراج ہو یا ان کے افراد پر عائد ٹیکس"[2]

اسی طرح، ابن قیم الجوزیہ (م 751ھ) اپنی کتاب احکام اہل الذمہ میں جزیہ کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"جزیہ وہ خراج ہے جو کفار کے سروں پر بطور ذلت مقرر کیا گیا ہے"[3]

اسلامی فقہ کی رو سے، جزیہ ایک ایسا معاہداتی ٹیکس ہے جو اقلیتوں کو ریاست کے اندر مکمل شہری تحفظ فراہم کرنے کے بدلے لیا جاتا ہے، اور اس میں ان کی مذہبی آزادی، جان و مال کا تحفظ، عبادت گاہوں کا احترام، اور سماجی معاملات میں آزادی شامل ہے۔ چونکہ یہ اقلیتیں ریاست کے دفاع میں حصہ نہیں لیتیں، اس لیے ان پر دفاعی اخراجات کے بدلے ایک مالی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے۔

امام ماوردی جزیہ اور خراج کے فرق کو واضح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ابتدائی دور میں دونوں اصطلاحات ایک دوسرے کے مترادف استعمال ہوتی تھیں، بعد ازاں زمین کی پیداوار پر لگنے والے ٹیکس کو خراج کہا جانے لگا، جبکہ افراد پر عائد مالی ذمہ داری کے لیے جزیہ کی اصطلاح مخصوص کر دی گئی۔ ان کے الفاظ میں:

"اہل کتاب میں سے جو بھی مسلمانوں کے ذمی اور عہدیدار بنتا، اس سے جزیہ وصول کیا جاتا۔ چاہے وہ ان کی ذات پر عائد ہوتا یا ان کی زمینوں پر۔ بعد میں زمین پر عائد ٹیکس کو خراج کہا جانے لگا، اور افراد پر لاگو رقم کو جزیہ۔ یہ دونوں دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے عطا کردہ حقوق ہیں"[4]

جزیہ کی مشروعیت: قرآن، سنت اور اجماع کی روشنی میں

اسلامی شریعت میں جزیہ ایک ایسا مالی معاہدہ ہے جو غیر مسلم رعایا (اہلِ ذمہ) پر اس شرط کے ساتھ عائد کیا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست انھیں جان، مال، عزت، عبادت اور مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم کرے گی، جبکہ ان پر عسکری دفاعی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔ جزیہ کی مشروعیت قرآن، سنت اور اجماعِ امت سے واضح طور پر ثابت ہے۔

قرآن کریم سے دلیل:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ[5]

---

[1] امام ماوردی، الاحکام السلطانیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1989ء، صفحہ: 181۔

[2] ابراہیم مصطفیٰ و دیگر، المعجم الوسیط، المکتبۃ الاسلامیہ، ترکی، 2004ء، جلد 1، صفحہ: 122۔

[3] شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ، احکام اہل الذمہ، دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ، 2005ء، صفحہ: 31

[4] امام ماوردی، الاحکام السلطانیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1989ء، صفحہ: 181

[5] سورۃ التوبہ، 9:29

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.2 2025

ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور نہ ان چیزوں کو حرام کرتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے، اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان اہلِ کتاب میں سے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور عاجز ہو کر رہیں۔"

یہ آیت جزیہ کی صریح مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور اس کی قانونی حیثیت کو واضح کرتی ہے کہ اہلِ کتاب کے غیر مسلموں سے جزیہ لینا اسلامی ریاست کا حق ہے بشرطیکہ وہ ذمی بن کر ریاست کے تحت زندگی گزاریں۔

سنت نبوی سے دلیل:

حضرت جبیر بن حیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فَأَتَيْنَا النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ، فَلَمَّا صِرْنَا بِأَرْضِ الْعَدُوِّ خَرَجَ عَامِلُ كِسْرَى فِي أَرْبَعِينَ أَلْفًا، فَقَامَ مُتَرْجِمٌ لَهُ فَقَالَ: لِيُكَلِّمْنِي رَجُلٌ مِنْكُمْ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ: فَجَعَلْنَا إِلَيْكُمْ لِنُقَاتِلَكُمْ، حَتَّى تَعْبُدُوا اللَّهَ وَحْدَهُ، أَوْ تُعْطُوا الْجِزْيَةَ، وَأَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا، أَنَّهُ مَنْ قَبِلَ ذَلِكَ مِنَّا قَبِلْنَا مِنْهُ، وَكَفَفْنَا عَنْهُ، وَمَنْ أَبَى نَازَلْنَاهُ عَنْ أَمْرِهِ، وَقَاتَلْنَاهُ أَبَدًا حَتَّى نُفْلِحَ، أَوْ نَلْقَى اللَّهَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے دشمن کے ترجمان سے فرمایا: "ہم تم سے اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک تم صرف اللہ کی عبادت نہ کرو یا جزیہ نہ دو۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہمارے رب کا پیغام پہنچایا کہ اگر کوئی اس دعوت کو قبول کرلے تو ہم اس سے باز آجائیں گے، اور جو انکار کرے گا، ہم اس سے لڑائی کریں گے یہاں تک کہ کامیاب ہوں یا اللہ سے جا ملیں۔[6]"

ایک اور حدیث حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو امیرِ لشکر کو یہ وصیت کرتے:

ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ... فَإِنْ هُمْ أَبَوْا، فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ، فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا، فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَقَاتِلْهُمْ[7]

انھیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ قبول کریں تو ان سے لڑائی نہ کرو۔ اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو انھیں بتادو کہ وہ مسلمانوں کی طرح ہی احکامِ الٰہی کے پابند ہوں گے۔ اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اور اگر وہ جزیہ دیں تو لڑائی مت کرو۔ لیکن اگر وہ جزیہ بھی نہ دیں تو اللہ کی مدد سے ان سے جہاد کرو۔"

یہ تمام دلائل قرآن، سنت اور صحابہ کے تعامل سے جزیہ کے واجب اور مشروع ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اور اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کے تحفظ اور ان کی شرکتِ مالی کی ایک بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

جزیہ کی مشروعیت اور فقہی اختلافات

اجماع کا موقف

امام ابن قدامہ مقدسی نے جزیہ کی مشروعیت پر تفصیلی گفتگو کے بعد بیان کیا ہے کہ:

"اور اہلِ کتاب اور مجوسیوں سے جزیہ لینے پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور اس پر کسی نے اختلاف نہیں کیا۔[8]"

جزیہ کن سے لیا جائے گا؟

اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے جزیہ لینے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ تاہم، غیر اہلِ کتاب یعنی دیگر مشرک اقوام سے جزیہ لینے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

---

[6] امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، دار السلام، 1992ء، جلد 3، حدیث نمبر: 1731، صفحہ: 1357

[7] امام بخاری، الجامع الصحیح (صحیح بخاری)، کتاب الجزیہ، دار السلام، 1991ء، جلد 2، حدیث نمبر: 118، صفحہ: 118۔

[8] ابن قدامہ، المغنی، دار عالم الکتب، 1997، جلد 10، ص 205

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کا موقف:

ان مکاتب فکر کے مطابق جزیہ صرف اہلِ کتاب (یہود، نصاریٰ، مجوس) سے قبول کیا جائے گا، خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب۔ ان کے علاوہ جیسے بت پرست یا سورج کی پوجا کرنے والے ہوں، ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔[9]

احناف، بعض حنابلہ اور بعض مالکیہ کا موقف

ان فقہاء کے مطابق جزیہ تمام کفار سے لیا جاسکتا ہے، سوائے عرب کے بت پرستوں کے، کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں صرف اسلام قبول کرنے یا قتل کیے جانے کا اختیار دیا جائے گا۔[10]

اوزاعی، ثوری اور جمہور مالکیہ کا موقف

ان ائمہ کے مطابق جزیہ ہر کافر سے لیا جاسکتا ہے، خواہ وہ اہلِ کتاب ہو یا مشرک، عربی ہو یا عجمی۔ ان کے دلائل میں حدیثِ بریدہ شامل ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم اپنے دشمن مشرکین سے ملو، تو انہیں تین باتوں کی دعوت دو..." اس حدیث میں "عدو" کا لفظ عام ہے، جس سے ہر کافر مراد ہے۔[11]

امام شوکانی نے بھی اس حدیث کو تمام کفار سے جزیہ قبول کرنے کے حق میں دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

راجح (ترجیحی) موقف

ان مختلف آراء میں، امام اوزاعی، ثوری اور جمہور مالکیہ کا موقف زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کی تعلیم "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (البقرہ: 256) اور نبی ﷺ کی سنت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ صرف اہلِ کتاب تک محدود نہیں بلکہ تمام کفار سے قبول کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ اسلامی ریاست کے قوانین کو تسلیم کریں اور جزیہ ادا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے مجوس (آتش پرستوں) سے جزیہ لیا، حالانکہ وہ بھی اہلِ کتاب میں شامل نہیں ہوتے، بلکہ ان کا دین بھی شرک پر مبنی تھا۔ عرب کے مشرکین سے جزیہ نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ جزیہ کا حکم ہجرت کے آٹھویں سال بعد نازل ہوا، اور اس کے بعد عرب میں غالب اکثریت نے اسلام قبول کر لیا، اس لیے جزیہ وصول کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

جزیہ کے فرض ہونے کی شرائط

جزیہ کی فرضیت کے لیے چند بنیادی شرائط کا ہونا ضروری ہے:

1. **عاقل و بالغ ہونا**

جزیہ صرف ان افراد پر واجب ہے جو عاقل اور بالغ ہوں۔ قرآن مجید میں قتال کا حکم ایسے لوگوں سے متعلق ہے جو قتال کی صلاحیت رکھتے ہوں:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ[12]

اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خذ من کل حالم دیناراً[13]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ صرف بالغ اور سمجھ دار افراد سے وصول کیا جائے گا۔

---

[9] شافعی، الام، دار الکتب العلمیہ، جلد 4، ص 94

[10] کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مکتبہ فاروقیہ کراچی، جلد 7، ص 110

[11] شوکانی، نیل الاوطار، دار الکتب العلمیہ، جلد 7، ص 231

[12] التوبہ: 29

[13] الماکلی، الاحکام السلطانیہ، دار الکتب العلمیہ، ص 183

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JALT JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

2. مرد ہونا

عورتوں پر جزیہ عائد نہیں ہوتا کیونکہ وہ قتال کی اہل نہیں ہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا:

اضربوا الجزية ولا تضربوها على النساء والصبيان[14]

3. جزیہ ادا کرنے کی استطاعت

اگر کوئی شخص جزیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، جیسے کہ بوڑھا، فقیر، نابینا یا معذور، تو اس پر جزیہ واجب نہیں۔

4. آزاد ہونا

غلاموں پر جزیہ فرض نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لا جزية على العبد[15]

جزیہ کی مقدار

تمام فقہاء نے جزیہ کی مشروعیت پر اتفاق کیا ہے لیکن انہوں نے جزیہ کی مقدار پر اختلاف کیا ہے۔امام ابو حنیفہ ،مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کا قول ہے کہ جزیہ کی مقدار معین ہے اس میں کمی و بیشی نہیں ہے اور ہر ایک نے اس کی معین مقدار کا ذکر کیا ہے لیکن ہر ایک کے نزدیک معین مقدار مختلف ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک

- انها ثمانية واربعين درهما على الاغنياء، واربعة وعشرون درهما على المتوسطين، والنا عشر على الفقراء

ترجمہ: کہتے ہیں غنی پر ۴۸ درہم، متوسط پر ۲۴ درہم اور غریب پر ۱۲ درہم۔

- قبل اربعه دنانير على اهل الذهب واربعون درهما على اهل الورق اذا كانوا المنياء، و على الفقراء دينار واحد أو عشرة دراهم۔[16]

ترجمہ: دوسرا قول سونے والوں پر چار دینار، چاندی والوں پر ۲۴ درہم جب وہ غنی ہوں تو اور فقراء پر ایک دینار یا دس درہم۔

- قيل الواجب دينار واحد على كل واحد يستوى فيه الغني والفقير ... لقوله الى معاذ في اليمن خذ من كل حالم دينارا او عدله معافر.[17]

اوپر بیان کردہ اقوال ان فقہاء کے ہیں جن کے نزدیک جزیہ کی مقدار معین ہے اب ان فقہاء کی آراء بیان کی جاتی ہیں جو کہتے ہیں کہ جزیہ کی مقدار معین نہیں ہے۔

امام ثوری کہتے ہیں کہ جزیہ کی مقدار مقرر نہیں ہے ان کی دلیل حضرت معاذ بن جبل والی حدیث ہے جو یمن جاتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:

وخذ من كل حالم دينارا

اس کے علاوہ ابن عباس کی روایت اہل نجران سے معاہدہ صلح کے بارے میں:

ان رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صالح أهل نجران على الفي حلة النصف في صفر والبقية في رجب يؤدونها إلى المسلمين۔[18]

ابن عباس سے روایت ہے بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے ساتھ ایک ہزار حلوں کے بدلے صلح کی نصف صفر کے مہینے میں دینگے اور باقی رجب میں مسلمانوں کو دینگے۔

اور ایک اور روایت ہے ابن نجیح سے ہے کہ میں نے مجاہد سے سوال کیا:

---

[14] کاسانی، بدائع الصنائع، مکتبہ فاروقیہ، جلد 7، ص 112

[15] کاسانی، بدائع الصنائع، مکتبہ فاروقیہ، جلد 7، ص 113

[16] مصنف، عبد الرزاق ۳۰/۸۷

[17] کتاب الاموال، ص: ۵۰

[18] سنن ابي داود رقم: ۳۰۴۱، ۳/ ۴۳۰

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ما شأن أهل الشام عليهم أربعة دنانير وأهل اليمن عَلَيْهِمْ دِينَارٌ قَالَ جُعِل ذلك من قبل اليسار."[19]

ترجمہ: اہل شام کا کیا معاملہ ہے، ان پر چار دینار اور اہل یمن پر ایک دینار (جزیہ) تھا؟ فرمایا:

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ ان پر اس وقت لاگو کیا جب وہ ابھی خوشحال نہیں ہوئے تھے۔

اور حضرت عمر نے عثمان بن حنیف کو اہل سواد کی طرف بھیجا:

فوضع عليهم ثمانية واربعين، واربعة و عشرين، والتي عشر درهما .[20]

اور ان پر ۴۸، ۲۴ اور ۱۲ درہم عائد کیے۔

بیان کردہ نظائر سے علم ہوتا ہے کہ شام، یمن، نجران اور ہر شہر کے ذمیوں پر جزیہ کی مقدار مختلف تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ کی مقدار شریعت میں معین نہیں ہے بلکہ ولی الامر لوگوں کی استطاعت کے مطابق ان پر جزیہ کی مقدار مقرر کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

راجح قول

راجح قول یہی ہے کہ جزیہ کی مقدار شریعت کے اندر معین نہیں بلکہ ولی الامر کو اس کا اختیار ہے وہ اہل الذمہ کی مالی حیثیت کے مطابق ان پر اس کی مقدار مقرر کرے گا۔

چار اسباب کی بنیاد پر جزیہ ساقط ہو جاتا ہے:

- ذمی کا اسلام قبول کر لینا۔
- ذمی کی موت پر اس کے وارثوں سے اس کے ذمہ واجب الادا جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔
- اگر اسلامی ریاست اہل ذمہ کا دفاع کرنے سے قاصر ہو تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔
- اگر اہل الذمہ دفاع میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جائیں تو ان سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

جزیہ: مذہبی تعصب یا سیاسی نظم وضبط؟

مستشرقین نے اسلام پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ جزیہ ایک ایسا مذہبی ٹیکس تھا جو غیر مسلموں کی تحقیر کے لیے مخصوص کیا گیا تھا، اور جو اسلام قبول نہ کرنے کی سزا کے طور پر ان پر عائد ہوتا تھا۔ ان اعتراضات کی بنیاد سورۂ توبہ کی درج ذیل آیت پر رکھی گئی:

حتى يعطوا الجزية عن يد و هم صاغرون[21]

اس آیت کے مفہوم میں "صاغرون" کا ترجمہ اکثر غلط انداز میں تحقیر اور ذلت کے مفہوم میں کیا گیا، حالانکہ اس کا اصل مفہوم اسلامی ریاست کی بالادستی تسلیم کرنا اور اس کے امن وامان کے تحت زندگی بسر کرنا ہے۔ اس ضمن میں ایک اہم تاریخی حوالہ یہ ہے کہ جزیہ کی روایت اسلام سے پہلے دیگر اقوام میں بھی موجود تھی۔ جرجی زیدان اپنی کتاب تاریخ تمدن اسلام میں لکھتے ہیں کہ جزیہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں، بلکہ اس کی ابتدائی شکل یونانیوں نے فینیقیوں کے خلاف جنگ میں حمایت کے بدلے نافذ کی تھی، بعد ازاں یہ نظام رومی حکومت میں رائج رہا، پھر ایرانی سلطنت میں "گزیت" کے نام سے جانا گیا، اور بعد ازاں "جزیہ" کی صورت اختیار کی۔[22]

جزیہ کی مقدار اور اصول

اسلامی تاریخ میں جزیہ کی مقدار مقرر نہ تھی بلکہ یہ حالات، معاشرتی حیثیت اور ذاتی مالی استطاعت کے مطابق متعین ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جزیہ کی درج ذیل تقسیم فرمائی:

- مالدار افراد: 48 درہم سالانہ

---

[19] الصحیح البخاری، ۴/ ۱۱۷

[20] ابن ابی شیبۃ، مصنف، ۱۲ / ۲۴۱

[21] سورۃ التوبہ، 9:29

[22] جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، دار الہلال، قاہرہ، 1911، جلد 1، صفحہ 85

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.2 2025

- متوسط طبقہ: 24 درہم سالانہ
- مزدور و محنت کش: 12 درہم سالانہ

یہ بھی اہم ہے کہ ذمی افراد پر فوجی خدمات لازم نہیں تھیں اور نہ ہی زکوۃ، صدقات یا عشر جیسے اسلامی فرائض ان پر لاگو ہوتے تھے۔ دوسری جانب، مسلمان اپنی آمدنی، جائیداد اور پیداوار پر باقاعدگی سے زکوۃ، عشر اور دیگر مالی واجبات ادا کرنے کے پابند تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر مالی بوجھ ذمیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا تھا۔

خراج: زرعی زمین پر مالی حق

لغوی لحاظ سے "خراج" سے مراد وہ محصول ہے جو زمین کی پیداوار یا غلہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔

"وهو ما يخرج من غلة الأرض أو المال المضروب على الأرض[23]"

فقہی لحاظ سے خراج ایک ایسا مالی حق ہے جو کسی زمین کی ملکیت یا استعمال پر عائد کیا جاتا ہے:

"الخراج هو ما وضع على الأرض من حقوق تؤدى عنه"

4۔ زمین کی اقسام اور خراج کا اطلاق

ماوردی نے زمین کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے:

1. **عشری زمین**: وہ زمین جسے مسلمان آباد کریں، اس پر عشر لاگو ہوتا ہے، خراج نہیں۔
2. **اسلام قبول کرنے والوں کی زمین**: اگر زمین عشری ہو تو خراج لاگو نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق امام کو اختیار ہے کہ وہ اسے خراجی یا عشری قرار دے، لیکن ایک دفعہ فیصلہ ہو جائے تو تبدیلی کی اجازت نہیں۔[24]
3. **عنوۃ فتح کی گئی زمین**:
   - امام شافعی کے مطابق ایسی زمین مال غنیمت ہے اور اسے مجاہدین میں تقسیم کر کے عشر لاگو کیا جاتا ہے۔
   - امام مالک کے نزدیک یہ وقف ہوتی ہے اور اس پر خراج عائد کیا جاتا ہے۔
   - احناف کے مطابق امام کو اختیار ہے کہ وہ اسے خراجی یا عشری زمین قرار دے۔
4. **صلح سے حاصل کی گئی زمین**:
   - اگر زمین مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے تو وہ وقف ہو گی اور اس پر خراج لازم ہو گا۔ اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہو گی۔
   - اگر اصل مالکان کے قبضے میں رہے اور خراج کی ادائیگی پر معاہدہ ہو تو وہ اس شرط پر برقرار رہے گی۔

جزیہ و خراج کا نظام نہ تو مذہبی تعصب پر مبنی تھا اور نہ ہی کسی قوم یا فرد کی تحقیر کے لیے وضع کیا گیا۔ بلکہ یہ ایک سماجی، قانونی اور اقتصادی اصولوں پر مبنی انتظامی ڈھانچہ تھا جس کی نظیر مختلف تہذیبوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسلام نے اس نظام کو شفافیت، مساوات اور عدل کے اصولوں پر استوار کیا، جس کا مقصد ریاستی نظم و نسق کو برقرار رکھنا اور رعایا کو امن و تحفظ فراہم کرنا تھا۔

خراجی زمین کی اقسام:

احناف کے نزدیک خراجی زمین کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

- وہ زمین جس کو مسلمان فتح کریں مگر اس کے مالکوں کے قبضے میں ہی رہنے دیں اور اس پر خراج عائد کریں جس طرح مصر اور عراق کی زمین کے ساتھ کیا گیا۔
- ایسی زمین جس کو امام نے مقررہ مقدار جزیہ پر اس کے مالکوں کے پاس چھوڑ دیا جس طرح نجران کے عیسائیوں کے ساتھ حضور صلی علیم نے صلح کی کہ وہ اپنی زمینی پیداوار پر خراج دیں گے اور ہر سال ایک ہزار چلے بطور جزیہ بھی ادا کریں گے۔

---

[23] الرازی، مختار الصحاح، دار الکتب العربیہ، قاہرہ، 1910، جلد 1، صفحہ 72

[24] ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، دار الفکر، بیروت، 1985، صفحہ 72

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

- اور جب ذمی عشری زمین کا مالک بنے گا تو وہ زمین ابو حنیفہ کے نزدیک خراجی بن جائے گی کیونکہ عشر ایک عبادت ہے اور غیر مسلم پر عبادات واجب نہیں ہے۔

خراج کی اقسام

خراج کی دو اقسام ہیں:

ا۔ خراج المقاسمۃ

۲۔ خراج الوظیفہ

ا۔ خراج المقاسمۃ

خراج مقاسمہ سے مراد زمین کی پیداوار کا ایک حصہ یعنی نصف، رباع یا اس طرح، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا تو اہل خیر کے ساتھ زمین کی پیداوار کے نصف پر صلح کی۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے:

عامل الرسول اهل الخيبر على شطر ما يخرج منها من لمر او زرع.[25]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی نصف پیداوار پھلوں اور زراعت کی پیداوار پر صلح کی۔

۲۔ خراج الوظیفہ

زمین پر مال یا اللہ کی ایک خاص حد مقرر کر دی جائے جس طرح حضرت عمر نے شام اور عراق کی زمین کے ساتھ کیا۔انہوں نے زمین کے ایک خاص محطے پر پیوں کی مقدار مقرر کی تھی۔۔۔کرنسی میں درہم یا دینار ادا کرنے ہوں گے سال کے بعد۔

خراجی زمین جس کے پاس بھی ہو گی چاہے وہ مرد ہو یا عورت یا بچہ اس سے خراج لیا جائے گا اگرچہ اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر خراہی زمین پر قابض مخلص مسلمان ہو جائے تو اس کا خراج ساقط ہو گا یا نہ گا نہیں۔

امام سرخسی کے نزدیک خراج اسلام قبول کرنے سے ساقط نہیں ہو گا جبکہ صحابہ کرام جن کے پاس عراق والی خراجی زمین تھی وہ خراج دیا کرتے تھے۔

اذا اسلم صاحب الأرض لا يسقط عنه الخراج لانه يتعلق بالأرض ولائه للصحابة ارض العراق يدفعون خراجها.[26]

جب خراجی زمین رکھنے والا مسلمان ہو جائے تو اس سے خراج ساقط نہیں ہو گا کیونکہ اس کا تعلق (مذہب سے نہیں) زمین سے ہے اور بے شک وہ صحابہ جن کے پاس سواد العراق کی خراجی زمین تھی وہ خراج ادا کرتے تھے۔

اور امام مالک کے نزدیک ساقط ہو جائے گا۔

يسقط الخراج باسلام مالك الأرض لانه كالجزية فهي تسقط با سلام الذمى، فكذلك الخراج يسقط.[27]

خراجی زمین کے مالک کے اسلام قبول کرنے پر اس سے خراج ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ بھی جزیہ کی مانند ہے جب جزیہ قبول اسلام کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے تو خراج بھی ساقط ہو گا۔

راجح قول

میرے نزدیک راجح قول احناف کا ہے کہ قبول اسلام سے خراج ساقط نہیں ہو گا کیونکہ اس کا تعلق زمین سے ہے مالک زمین کی ذات سے نہیں اور یہ ہی عمل حضرت عمرؓ اور حضرت علی کا ہے۔

---

[25] کتاب الاموال، ص: ۸۲-۸۳

[26] المبسوط السرخسی ۱۰/۸۳

[27] الاحکام السلطانیۃ الماوردی، ص: ۱۸۸

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.2 2025

اعتراض

مستشرقین نے اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ ذمی اور مسلم دونوں اہل دارالاسلام ہونے کی وجہ سے اگر برابر درجے کے شہری ہیں تو ذمیوں پر دوگنا محصول تجارت کیوں عائد کیا گیا۔ دوگنا محصول اس وجہ سے تھا کیونکہ ایک ذمی تاجر کو مسلم تاجر سے زیادہ مال تجارت کی حفاظت کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ چوروں کو ذمیوں کے مال سے زیادہ طمع ہوتا ہے۔

ذمی سے دوگنا محصول صرف اس مال تجارت سے لیا جاتا تھا جس مال کو وہ ایک علاقے سے دوسرے کی طرف منتقل کرتا جب کہ مسلمان چاہے مال تجارت کو دوسرے علاقے میں منتقل نہ بھی کریں تب بھی ان کے مویشیوں، کھیتوں، پھلوں پر قوم اور دیگر اشیاء سے زکوۃ وصول کی جاتی ہے اور اس طرح ایک مسلمان پر عائد واجبات ذمی کے واجبات سے بڑھ جاتے ہیں لہذا ان سے دوگنا محصول وصول کیا جاتا تھا۔

مشروعیت عشور

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے تجارتی محصول کی وصولی کا ذمہ سونپتے ہوئے فرمایا:

امرنی ان اخذ من المسلم ربع العشر ومن الذمي نصف العشر ومن الحربي العشر۔[28]

حضرت عمر نے مجھے حکم دیا کہ میں مسلمان سے رابع عشر ۱/۴۰، اور ذمی سے نصف عشر ۱/۲۰ اور حربی سے عشر ۱/۱۰، وصول کروں"۔

احناف نے اس حدیث مبارکہ سے عشور تجارت کی مشروعیت کا استدلال کیا ہے۔

اجماع

اور اس بات پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع بھی ہے۔

ان عمر فرض على المسلم ربع العشر وعلى الأرض نصف العشر في عروض التجارة التي ينتقل بها من بين القاليم البلاد ولم يذكر لأحد من الصحابة عنهم مخالفة في ذلك فكان اجماعا۔[29]

حضرت عمر نے اصحاب الرسول کی موجودگی میں عشور کا نفاذ کیا اور مقدار معین کی اس پر کسی بھی صحابی رسول کا اختلاف سامنے نہیں آیا گویا اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

اعتراض

کہ ذمی پر تجارتی محصول مسلمان کے مقابلے میں کیوں دوگنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی پر الگ سے صرف ایک ٹیکس ہے (جزیہ) وہ بھی صرف صاحب حیثیت مردوں پر جو جنگ کے قابل ہوں۔ خراج جس طرح کافر پر ہے اس طرح خراجی زمین کے مالک مسلمان پر بھی نافذ ہوتا ہے، جبکہ اگر ذمی زراعت کرتا ہے، تو اس پر کسی قسم کا کوئی مالی ٹیکس نہیں ہے جبکہ مسلمان شہری کے مال زراعت میں عشر لازم ہے۔ اس کے علاوہ صاحب استطاعت پر سالانہ 2.5% زکوۃ بھی لازم ہے۔ ملکی دفاع میں شمولیت اور جہاد کے مصارف کے لیے ریاست ٹیکس وصول کر سکتی ہے نفلی صدقات بھی ہیں۔ جبکہ ذمی ان تمام ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہوتے ہیں دونہ ملکی دفاع میں حصہ لیتے ہیں اور نہ ہی زکوۃ و صدقات ان پر لاگو ہوتے ہیں۔ وہ پر سکون طریقے سے ہمہ وقت کاروبار و تجارت کر سکتے ہیں جبکہ مسلمان شہری کو اتنا وقت اور سکون میسر نہیں ہوتا۔ اس بنا پر غیر مسلم شہری کو ضرائب کی مد میں مسلمان شہری سے بہت کم ریاست کو پے کرنا پڑتا ہے، لہذا یہ کوئی ظالمانہ ٹیکس نہیں ہے۔

دفاعِ وطن اور رازداری

---

[28] المبسوط، ۲/ ۱۹۹

[29] کتاب الاموال، ابو عبید القاسم، ص: ۵۳۱

اسلامی ریاست کے تمام شہریوں پر، خواہ وہ مسلمان ہوں یا اہلِ ذمہ، وطن کے دفاع اور اس کی رازداری کی حفاظت لازم ہے۔ اہلِ ذمہ کو جہاں ریاست اسلامی میں قیام کا حق حاصل ہوتا ہے، وہیں ان پر بعض ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، جن میں ایک اہم فریضہ ملکی رازوں کی حفاظت اور دشمن کے لیے جاسوسی سے گریز ہے۔ ریاست کی سلامتی کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام شہری وطن دشمن عناصر سے مکمل طور پر لاتعلق رہیں اور کسی قسم کی مخبری یا خفیہ معلومات کی ترسیل سے اجتناب کریں۔ قرآن مجید نے بھی مسلمانوں کو جاسوسی جیسے گناہ سے منع فرمایا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا[30]"

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور تجسس (جاسوسی) نہ کرو۔

جاسوسی ایک سنگین جرم ہے، اور فقہاء نے اس کی سخت سزا بیان کی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی مسلمان جاسوسی کرے تو اسے قتل کیا جائے گا، جبکہ احناف کے نزدیک اسے اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔

"إذا ارتكبها المسلم فإنه يُقتل عند المالكية، ويُسجن عند الأحناف حتى يتوب[31]"

اگر یہی جرم کسی ذمی شہری سے سرزد ہو، تو اس کی سزا کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام مالک، امام اوزاعی اور جمہور حنابلہ کے نزدیک:

"يُعتبر ناقضًا لعَهده فيكون كالحربي[32]"

یہ جرم اس کے عہد کو توڑ دیتا ہے اور وہ حربی شمار ہوگا۔

جبکہ احناف، شوافع اور بعض حنابلہ کے نزدیک:

"لا يُنتقض عقد الذمة بالتجسس، لأن إيمان المسلم لا يزول بالتجسس فكذلك لا يُنتقض به عهد الذمي[33]"

صرف جاسوسی سے ذمی کا عہد نہیں ٹوٹتا، کیونکہ مسلمان کا ایمان بھی صرف جاسوسی سے زائل نہیں ہوتا، تو ذمی کا عہد بھی نہیں ٹوٹے گا۔

معتدل رائے یہ ہے کہ ایسے معاملات میں سزا کا اختیار اولی الامر کو سونپا جائے، جو حالات، نیت اور خطرے کے مطابق فیصلہ کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک واقعہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أتي رسولُ اللهِ ﷺ عينٌ وهو في سفر، فجلس عند أصحابِه، ثم خرج، فقال رسولُ اللهِ ﷺ: اطلبوه، فاقتلوه فسبقتُهم إليه، فقتلته[34]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جاسوس آیا، جو آپ کے صحابہ کے پاس بیٹھا اور پھر نکل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے تلاش کرو اور قتل کر دو۔ میں اس تک پہلے پہنچا اور اسے قتل کر دیا۔

اسی طرح فتح مکہ سے قبل ایک حساس موقع پر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اہم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملے کی خفیہ تیاری فرمائی اور اس کی اطلاع عام کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت حاطب نے اپنے رشتہ داروں کو خبردار کرنے کی نیت سے ایک خاتون کو مکہ روانہ کیا، جس کے پاس ایک خط تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے خبر ہوئی، تو حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو بھیجا کہ وہ اس خط کو برآمد کریں۔

---

[30] الحجرات: ۱۲

[31] ابو یوسف، کتاب الخراج، دار المعارف، ۱۹۷۰، ص ۱۸۹

[32] ابن العربی، أحکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۶، جلد ۲، ص ۲۴۹

[33] شافعی، الام، مکتبۃ الازہر، ۱۹۹۱، جلد ۳، ص ۱۰۹

[34] بخاری، الصحیح، باب الحربي اذا دخل دار الاسلام بغیر امان، مکتبہ دار السلام، ۲۰۰۰، حدیث: ۳۰۲۸

جب وہ عورت پکڑی گئی اور خط برآمد ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: "ما هذا يا حاطب؟" انہوں نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ محض اپنے اہل خانہ کو محفوظ رکھنے کی نیت سے کیا، نہ کہ مشرکین کو فائدہ پہنچانے کے لیے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"يا رسول الله! دعني أضرب عنق هذا المنافق"

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إنه قد شهد بدرًا، وما يدريك لعل الله اطلع على أهل بدر، فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرتُ لكم"[35]

وہ (حاطب) بدر میں شریک ہوا تھا، اور تم کیا جانتے ہو؟ ہو سکتا ہے اللہ نے اہلِ بدر کو دیکھ کر فرمادیا ہو کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ حضور صلی ﷺ نے ان کو قتل صرف اس لیے نہیں کیا کہ وہ بدری صحابی تھے جن کے لیے خاص احکامات ہیں کہ اللہ نے ان کے تمام گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔

راجح قول

تمام حقائق سے علم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کی سزا جاسوسی کرنے پر قتل ہے تو ذمی کی بالاولی قتل ہی ہے، وہ اس جرم کے ساتھ اپنا عقد ذمہ خود توڑ دیتا ہے۔

راہزنی کا ارتکاب اور سزا

شخصی امور کے علاوہ جان مال اور عزت کے یعنی دیوانی معاملات اور فوجداری میں اہل الذمہ بھی مسلمانوں کی ہی طرح شریعت اسلامی کے پابند ہیں۔ اس بارے میں فقہاء کہتے ہیں اہل الذمہ کو اجمالاوی حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کو ہوتے ہیں اور ان پر وہی فرائض عائد ہوتے ہیں جو مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں لہذا اگر کوئی ذمی چوری کرے تو اس پر اسی طرح حد جاری کی جاتی ہے جس طرح مسلمان پر حد لگتی ہے۔ جس نے قتل کیا، راہزنی کا ارتکاب کیا یا مال چھینا یا کسی عورت سے زنا کیا یا کسی نیک اور پاکدامن عورت پر تہمت لگائی یا کوئی اور اس طرح کا جرم کیا تو اس کے لیے وہی سزا ہو گی جو مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ یہ چیزیں ہمارے دین میں حرام ہیں اور وہ ان تمام چیزوں میں اسلامی قانون کے پابند ہیں جس میں ان کے دین کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔

لہذا اگر کوئی ذمی راہزنی کی واردات کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے لیے شریعت کی مقرر کردہ سزا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

و إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا [36]

بے شک ان لوگوں کی سزا جو اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔

کیونکہ اس آیت کریمہ میں مسلم یا غیر مسلم کی تفریق نہیں کی گئی لہذا جو بھی اسلامی ریاست کا شہری ہونے کے ناطے یہ جرم کرے گا اس کو اس کی سزا ملے گی۔

کاسانی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ:

ولان الذعی قد التزم احکام الاسلام و انه من اهل دارنا فتقام علیه الحدود کلها الاحد الخمر وبه قال الجمهور۔[37]

کیونکہ ذمی اسلامی احکام کا پابند ہوتا ہے اور وہ دار السلام کا باشندہ ہے۔ جمہور کے نزدیک اس پر تمام حدود دلا گو ہوں گی شراب کے سوا۔

---

[35] قاضی برہان الدین قرحون المالکی، تبصرۃ الاحکام في أصول الاقضیۃ و مناهج الاحکام، مکتبۃ الکلیات الأزہریۃ، مصر، ۱۹۸۲، جلد ۲۰، ص ۱۹۲

[36] المائدہ:۵ / ۸۵

[37] بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، الکاسانی، دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۲ء/۷ / ۹۱

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ان جرائم کی سزا میں مسلمان اور ذمی برابر ہیں۔ فقہاء کا کہنا ہے:

واذا قامت جماعة من المسلمين أو من الذميين يقطع الطريق على المقيمين في دار الاسلام سواء كانوا مسلمين او ذميين فقتلوا واخذوا المال فان الامام يقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ان شاء صلبهم۔[38]

یعنی اگر کوئی گروہ چاہے وہ مسلمان ہوں یا ذمی اگر دار الاسلام میں رہتے ہوئے راہزنی کا ارتکاب کریں، لوگوں کو قتل کریں یا ان سے مال چھینیں تو حاکم ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کٹوائے گا اور اگر چاہے تو ان کو موت کی سزا دے گا۔

فقہاء کا اس بات پر اختلاف ہے کہ ذمی کے راہزنی کرنے پر اس کا عقد ذمہ مختتم ہو جاتا ہے یا نہیں۔

جمہور کہتے ہیں عقد ذمہ نہیں ناقص ہو گا:

ان عقد الذمة لا ينتقض بارتكاب جريمة قطع الطريق۔[39]

راہزنی کے ارتکاب سے عقد ذمہ نہیں لوٹے گا۔

جبکہ ظاہریہ کے نزدیک عقد ذمہ ٹوٹ جائے گا:

ينتقض عقد الذمة بهذه الجريمة و يقتل بها قاطع۔[40]

عقد ذمہ اس جرم کی وجہ سے ٹوٹ جائے گا اور مجرم کو قتل کیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں:

ينتقض عقد الذمى لان الذمة لم تعقد له لاجل الأضرار بالمسلمين .[41]

ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس نے مسلمانوں کو ضرر پہنچایا بند اعتقد باقی نہیں رہا۔

راجح قول:

یہ بات حقائق کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے کہ اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور حاکم اسے سزا دے گا۔

قتل کا ارتکاب:

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كتب عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ في القتلى .[42]

اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کر دیا گیا ہے مقتول کے بارے میں۔۔۔

دوسری جگہ ارشاد الہی ہے:

فمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عليه بمثل ما اعتدى عليكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِين).[43]

[38] المبسوط السرخسی ۹ / ۱۹۵

[39] بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، الکاسانی، ۸ / ۱۱۳

[40] المحلی بالاثار، ابن حزم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ۱۲۰ / ۲۹۳

[41] ابن قدامہ المغنی ۸/۲۹

[42] البقرہ ۲ / ۱۷۸

[43] البقرہ: 2/194

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.2 2025

پس جو تم پر زیادتی کرے تو (بدلے) میں تم بھی اتنی زیادتی کرو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو بے شک اللہ تعالی متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالی نے دشمنوں پر بھی ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔ہاں جتنا وہ ظلم کریں بدلے میں ان کو اسی قدر سزا دینا بھی عدل کا تقاضا ہے۔جب ذمی کسی مسلمان،ذمی یا مستامن کو قتل کردے تو اس کی سزا کیا ہے؟اس بارے میں فقہاء کے اقوال کے درمیان تھوڑا اختلاف ہے۔

ذمی کے قتل اور اسلامی فقہ میں اس کے احکام

ذمی کا دوسرے غیر مسلم کو قتل کرنا

اگر ذمی (اسلامی ریاست میں معاہدے کے تحت رہنے والا غیر مسلم) کسی دوسرے غیر مسلم کو قتل کرے تو جمہور فقہاء کے مطابق اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ غیر مسلم رہنے والا دار الاسلام میں معصوم الدم ہوتا ہے، یعنی اس کا خون حرام ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے ذمیوں کا خون محفوظ ہے اور ان کا قتل جرم ہے۔

یہ بات متعدد فقہی مذاہب (احناف، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ) کی مشترکہ رائے ہے۔اس کی دلیل کے طور پر ایک حدیث نبوی ﷺ پیش کی جاتی ہے:

"ایک یہودی نے ایک لڑکی کو زیورات کے لیے پتھر مار کر قتل کیا، وہ لڑکی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدھی زندہ حالت میں لائی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا فلاں نے تمہیں قتل کیا؟ پہلی اور دوسری بار اس نے انکار کیا، تیسری بار اس نے رضامندی دی، تو نبی ﷺ نے اس قاتل کو دو پتھروں سے مار کر قتل کیا۔[44]"

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ غیر مسلم رہنے والے افراد کا خون اسلامی ریاست میں محفوظ ہے اور ان کے قتل کی سزا موت ہے۔

اگر قاتل ذمی ہو اور مقتول مسلمان

ابن حزم کے نزدیک اگر غیر مسلم (ذمی) مسلمان کو قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ ذمی نے عہد توڑ دیا ہے۔

یعنی ذمی نے اسلام کے ساتھ جو عہد (عقد ذمہ) کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی ہے، اس لیے اسے مسلمانوں کے ساتھ برابر سزا دی جائے گی۔

حربی کا قتل

اگر مقتول حربی (جنگ میں شامل دشمن) ہو تو اس کے قاتل پر قصاص کا کوئی حکم نہیں کیونکہ اس کا خون معصوم نہیں ہوتا۔اس مسئلے پر علماء میں اتفاق ہے۔

ذمی کا بغاوت کرنا

جب اسلامی ریاست میں بسنے والی غیر مسلم قوم بغاوت کرتی ہے تو جمہور فقہاء (احناف، شوافع، حنابلہ) کے نزدیک عقد ذمہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ حربیوں کی طرح شمار کیے جائیں گے کیونکہ وہ امام کی اطاعت سے باہر نکل کر جنگ کا اعلان کر چکے ہوتے ہیں۔

لیکن جب اہل ذمہ بغاوت میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوں تو فقہائے کرام میں اختلاف ہے:

- احناف کہتے ہیں کہ اس حالت میں عقد ذمہ باقی رہے گا کیونکہ وہ مسلمانوں کے تابع رہتے ہیں اور انہیں مخصوص سزا دی جائے گی۔
- شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں عقد ذمہ ختم ہو جائے گا کیونکہ وہ بغاوت میں برابر شریک ہیں۔[45]

میری رائے یہ ہے کہ بغاوت میں شرکت پر عقد ذمہ باقی رہے گا کیونکہ اس جرم میں ان کا ایمان ختم نہیں ہوتا، اس لیے انہیں مخصوص سزا دی جائے گی۔

زنا کا ارتکاب

زنا کی شرائط یہ ہیں:

- عقل
- بلوغ

---

[44] البخاری، باب من اقاد بالحجر، رقم: ۲۲۰۲۵

[45] ابن رشد القرطبیؒ، بدایہ المجتہد، جلد ۵، صفحہ ۳۴۱

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اختیار

حرمت کا علم

اگر ذمی دارالاسلام میں زنا کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس پر حد زنا قائم کی جائے گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی مرد و عورت پر زنا کی سزا رجم دی تھی۔

مالکیہ کے نزدیک ذمی پر حد زنا نافذ نہیں ہوگی بلکہ انہیں ان کے ہم مذہب لوگوں کے حوالے کیا جائے گا جو اپنی مرضی کے مطابق سزا دیں گے۔

راجح قول جمہور کا ہے کہ حد زنا ذمی پر بھی نافذ ہوگی، جیسا کہ حدیث مبارکہ کی تائید ہے۔

قذف کا ارتکاب

قذف سے مراد جھوٹے الزام سے زنا کی تہمت لگانا ہے، جس کی شرائط درج ذیل ہیں:

- عقل
- بلوغ
- اسلام
- آزادی
- پاکبازی

جمہور فقہاء (مالکیہ، حنابلہ، احناف، شوافع) کا اتفاق ہے کہ اگر ذمی کسی مسلمان پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف قائم کی جائے گی۔ ظاہر یہ کہتا ہے کہ ایسے ذمی کو قتل کرنا چاہیے کیونکہ اس نے عہد توڑا ہے، مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ حد قذف ہوگی لیکن قتل نہیں ہوگا۔

چوری کا ارتکاب

چوری کی سزا بھی اسلامی قانون میں واضح ہے، اگر چوری شدہ مال کی مقدار نصاب حد سرقہ تک پہنچ جائے تو حد نافذ ہوگی۔ چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے، چاہے وہ مسلم ہو یا ذمی۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ذمی پر بھی حد سرقہ قائم ہوگی اگر چوری کا مال مسلمان کا ہو یا ذمی کا۔ لیکن شراب اور خنزیر کی چوری پر حد نافذ نہیں ہوتی۔[46]

[46] الماوردی، الاحکام السلطانیہ، صفحہ ۲۴

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

نتائج

1. اسلامی ریاست میں اقلیتوں کی ذمہ داریاں بنیادی طور پر ان کے معاہداتی حقوق و فرائض پر مبنی ہوتی ہیں، جو ان کے سلامتی، آزادی مذہب، اور سماجی حیثیت کی ضمانت دیتی ہیں۔
2. اگرچہ اقلیتوں کو آزادی مذہب اور جان و مال کی حفاظت ملتی ہے، لیکن انہیں ریاست کے قوانین کی پابندی اور حکومت کے ساتھ وفاداری کا عہد بھی کرنا ہوتا ہے۔
3. اگر اقلیتیں اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کرتی ہیں، مثلاً بغاوت یا جنگ میں شرکت، تو اسلامی فقہاء نے انہیں جنگجو دشمن قرار دیا اور ان پر سخت کارروائی کی اجازت دی۔
4. بعض فقہاء نے اقلیتوں پر اسلامی حدود کے نفاذ کو ضروری قرار دیا ہے جبکہ بعض نے ان کے اپنے مذہبی قوانین کی پاسداری کو ترجیح دی ہے، جو حکمت عملی اور سیاسی حالات پر منحصر ہوتا ہے۔
5. اسلامی ریاست میں اقلیتوں کا قتل عام جرم ہے اور ان کی جان و مال کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے، جو اسلام کی مساوات اور عدل پسندی کا مظہر ہے۔
6. بعض اعتراضات اسلام کی تشریعی حدود کی سختی اور اطلاقی حکمت عملی پر مبنی ہوتے ہیں، جن میں سیاسی مقاصد اور تاریخی تعصبات بھی شامل ہیں۔
7. موجودہ دور کے عالمی حقوق انسانی کے تناظر میں، اسلامی ریاست کو اقلیتوں کے حقوق و ذمہ داریوں کا توازن قائم کرنے کے لیے فکری و قانونی اصلاحات پر غور کرنا چاہیے۔
8. اسلامی قانون کے مقاصد (مقاصد الشریعہ) کے تحت انصاف اور تحفظ کو اولین ترجیح دی جانی چاہیے تاکہ سماجی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کو فروغ دیا جا سکے۔
9. اسلامی فقہاء اور معاصر دانشوروں کو چاہیے کہ وہ اقلیتوں کے حقوق و ذمہ داریوں کے متعلق فکری تحقیق اور جدید مسائل کے حل پر تبادلہ خیال جاری رکھیں۔

سفارشات

1. اسلامی ریاست کو چاہیے کہ اقلیتوں کے حقوق و ذمہ داریوں کے معاہداتی نظام کو جدید بین الاقوامی انسانی حقوق کے اصولوں کے مطابق واضح اور جامع بنایا جائے۔
مختلف فقہی مکاتب فکر کے علماء کو چاہیے کہ وہ اقلیتوں کے مسائل پر علمی مکالمے اور تحقیق کریں تاکہ متفقہ اصول وضع کیے جا سکیں۔
2. اسلامی ریاست اقلیتوں کی معاشرتی، تعلیمی، اور اقتصادی ترقی کے مواقع فراہم کرے تاکہ سماجی یکجہتی اور مساوات کا عملی مظاہرہ ہو۔
3. اسلامی قانون کے نفاذ میں اقلیتوں کے ساتھ انصاف اور اعتدال پسندی کو ملحوظ رکھا جائے، خاص طور پر حدود و قصاص کے نفاذ میں، تاکہ انسانی وقار کا تحفظ ممکن ہو۔
4. معاہدہ شکنی کی صورت میں اسلامی ریاست کو چاہیے کہ مقدمات کی شفاف تحقیقات اور منصفانہ فیصلے یقینی بنائے جائیں تاکہ زیادتی سے بچا جا سکے۔
5. اقلیتوں اور اکثریتی مسلم معاشرے کے درمیان اختلافات کو کم کرنے اور تعاون بڑھانے کے لیے بین المذاہبی مکالمے اور ثقافتی تبادلوں کو سرکاری سطح پر فروغ دیا جائے۔
6. تعلیمی نصاب میں اقلیتوں کی اہمیت اور ان کے حقوق و فرائض کے متعلق درست معلومات شامل کی جائیں تاکہ نوجوان نسل میں رواداری اور احترام اختلاف کو پروان چڑھایا جا سکے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

7. اسلامی قوانین کی تشریح اور نفاذ میں مقاصد الشریعہ کو مد نظر رکھا جائے تاکہ قانون کا اطلاق عادلانہ اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔
8. اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو مناسب سیاسی نمائندگی دی جائے تاکہ ان کے مسائل کی ترجمانی ہو اور حکومتی پالیسیاں زیادہ شفاف اور جامع ہوں۔
9. اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے قانونی مسائل کے حل کے لیے خصوصی ادارے اور امدادی نظام تشکیل دیا جائے تاکہ وہ بلا خوف انصاف حاصل کر سکیں۔

خلاصہ

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں فقہی اور تاریخی بنیادوں پر واضح کی گئی ہیں۔ اقلیتیں، جنہیں اہل ذمہ بھی کہا جاتا ہے، ریاست کے قوانین اور معاہدوں کی پاسداری کی ذمہ داری رکھتی ہیں، اور ان کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تاہم، ان کی ذمہ داریوں کے حوالے سے فقہاء میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں، خاص طور پر جب ان کے حقوق اور حدود کا تعلق اسلامی قوانین سے ہو۔ اس تحقیقی جائزے میں اقلیتوں کی ذمہ داریوں جیسے کہ عہد و پیمان کی پاسداری، عدم بغاوت، اور اسلامی قوانین کے تحت جرائم کی سزا میں تعاون پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان پر اٹھنے والے اعتراضات، مثلاً حد کے نفاذ، سیاسی و سماجی شمولیت، اور معاہدہ شکنی کی صورت میں سزا کے موضوعات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس جائزے میں فقہی اختلافات اور معاصر سیاسی، سماجی اور انسانی حقوق کے نظریات کے تناظر میں ان مسائل کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق و فرائض کا توازن برقرار رکھنا ضروری ہے، تاکہ نہ صرف اسلامی اصولوں کی حفاظت ہو بلکہ اقلیتوں کے سماجی، سیاسی، اور قانونی حقوق کی بھی مکمل پاسداری ہو سکے۔ اس کے لیے علمی مکالمے، فقہی اصلاحات، اور جدید انسانی حقوق کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر قوانین میں نرمی اور سمجھوتہ ضروری ہے تاکہ ایک متوازن اور منصفانہ نظام قائم ہو۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مصادر و مراجع

1. ابن عبدالحکم۔ سیرت عمر بن الخطاب۔ بیروت: دارالفکر، 1995۔
2. ابن عبدالحکم۔ فتوح مصر والمغرب۔ بیروت: دارالفکر، 1995۔
3. ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ بیروت: دار صادر، 1990۔
4. ابن خلدون۔ المقدمہ۔ بیروت: دارالفکر، 2004۔
5. ابن تیمیہ۔ *السیاسة الشرعیة فی إصلاح الراعی والرعیة*۔ بیروت: دارالمعارف، 1995۔
6. ابن قدامہ۔ *المغنی*۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1984۔
7. ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1998۔
8. ابوداود۔ *سنن ابوداود*۔ ریاض: دارالسلام، 2008۔
9. ابویوسف۔ کتاب الخراج۔ بیروت: دارالمعرفہ، 1979۔
10. السرخسی۔ *المبسوط*۔ بیروت: دارالمعرفہ، 1993۔
11. الطبری۔ *تاریخ الرسل والملوک*۔ قاہرہ: دارالتراث، 1990۔
12. محمد ابوزہرہ۔ *الجریمة والعقوبة فی الفقہ* الاسلامی۔ قاہرہ: دارالفکر العربی، 1974۔
13. مولانا مودودی۔ اسلامی ریاست۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1981۔

Bibliography

1. Ibn Abd al-Hakam. *Sirat Umar ibn al-Khattab.* Beirut: Dar al-Fikr, 1995.
2. Ibn Abd al-Hakam. *Futuh Misr wa al-Maghrib.* Beirut: Dar al-Fikr, 1995.
3. Ibn Sa'd. *At-Tabaqat al-Kubra.* Beirut: Dar Sadir, 1990.
4. Ibn Khaldun. *Al-Muqaddimah.* Beirut: Dar al-Fikr, 2004.
5. Ibn Taymiyyah. *As-Siyasah ash-Shar'iyyah fi Islah ar-Ra'i wa ar-Ra'iyyah.* Beirut: Dar al-Ma'arif, 1995.
6. Ibn Qudamah. *Al-Mughni.* Beirut: Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 1984.
7. Ibn Kathir. *Al-Bidayah wa an-Nihayah.* Beirut: Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 1998.
8. Abu Dawood. *Sunan Abi Dawood.* Riyadh: Dar as-Salam, 2008.
9. Abu Yusuf. *Kitab al-Kharaj*. Beirut: Dar al-Ma'arifah, 1979.
10. Al-Sarakhsi. *Al-Mabsut.* Beirut: Dar al-Ma'arifah, 1993.
11. Al-Tabari. *Tarikh al-Rusul wa al-Muluk.* Cairo: Dar al-Turath, 1990.
12. Muhammad Abu Zahrah. *Al-Jarimah wa al-‘Uqubah fi al-Fiqh al-Islami*. Cairo: Dar al-Fikr al-Arabi, 1974.
13. Maulana Maududi. *Islami Riyasat.* Lahore: Idarah Tarjuman al-Qur'an, 1981.